# تایا گلاب

سب بچے اسے تایا جی کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کی رنگت سیاہی مائل قد چھوٹا اور جسم موٹا تھا اس کی ایک ٹانگ میں لکنت بھی تھی اس کی عمر درمیانہ اور نام گلاب تھا مگر محلے کے شریر بچے اسے پیٹھ پیچھے تایا جی کالا گلاب کہہ کر آپس میں اس کے متعلق بات کیا کرتے تھے۔ تایا گلاب کی سائیکلوں کی مرمت کرنے والی بزنس تھی اس لئے جب بھی کسی کی سائیکل پنکچر ہو جائے یا کوئی اور خرابی ہو تو وہ اپنی سائیکل کی مرمت تایا گلاب کی دوکان سے ہی کراتے۔ ان کا گھر رفیعہ کے گھر سے دو گھر چھوڑ کر تیسرے گھر میں تایا گلاب اپنی فیملی کے ساتھ رہتے تھے۔ یہ سات افراد پر مشتمل خوش و خرم گھرانہ تھا۔ پھر اچانک قضائے الہی سے تایا گلاب کی بیوی پانچ اوپر تلے کے ننھے ننھے بچے چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہو گئی۔ اس وقت تایا گلاب نے دھاڑیں مار مار کر زمین آسمان کو بھی رلا دیا مگر چالیسویں کے فوراً بعد دوسری بیوی بیاہ کر لے آئے اس کی دوسری بیوی کی بھی یہ دوسری شادی تھی اپنے پہلے شوہر کی ایک لڑکی اور ایک لڑکا پیار کی نشانی وہ جہیز میں ساتھ لے کر آئی تھی۔ اور اب اپنے دو بچوں کے ساتھ اپنے نئے شوہر کے پانچ بچوں کی فوج کے ہمراہ وہ خاتون بڑی پرسکون اور خوش رہتی تھی۔ وہ اپنے شوہر اپنے سات بچوں اور اپنے گھر اپنی چھوٹی سی مملکت میں بڑی اچھی حکمران بن چکی تھی اور پھولے نہ سماتی تھی کیونکہ اب سب ٹھیک تھا اس دن جب اس کا شوہر ریڈیو خرید کر لایا تو اس کی خوشی قابلِ دید تھی اس نے اپنا ریڈیو گھر کی چھت پر رکھوا کر پوری آواز سے ریڈیو چلا دیا اس طرح ریڈیو کی آواز دور دور تک پہنچا کر مسز گلاب نے لوگوں کو جتا دیا کہ ہم کسی سے کم نہیں ہیں ہمارے گھر میں بھی ریڈیو ہے پھر اس نے خالہ شمسہ سے شکوہ بھی کیا کہ آپ لوگوں نے میرے ریڈیو کی آواز تو سن لی ہے مگر مجھے مبارک باد نہیں دی اسکی وجہ تو بتائیں؟ چلو آپ اب اوپر چھت پر آ کر میرا ریڈیو دیکھ سکتی ہیں اور مجھے مبارک باد بھی دے دیں۔ ہاں اگر آپ کو میری خوشی نہیں بھاتی تو بیشک مجھے مبارک نہ دیں۔ اس طعنے کو سنکر خالہ شمسہ کو چھت پر جا کر ان کا ریڈیو دیکھنا اور مبارک دینا ضروری ہو گیا جب خالہ شمسہ چھت سے جھانک کر بیگم گلاب کو مبارک دے رہی تھیں تو تایا گلاب کی بیوی نسرین ریڈیو کے ارد گرد چکر لگا لگا کر پوچھ رہی تھی کہ وے پائی توں کتھے وڑ کے بولدا ایں؟ یعنی ارے بھائی تم کہاں چھپ کر بول رہے ہو؟ تائی نسرین کو حیرت تھی کہ اس

چھوٹے سے ریڈیو میں اتنا بڑا مرد کیسے سما سکتا ہے اور وہ کیونکر باتیں کرتا ہے؟ نہ صرف ایک مرد بلکہ اس جادو کے ڈبے میں تو پوری دنیا بھری پڑی ہے کوئی گانے سناتا ہے کوئی قرآن سناتا ہے کبھی نعت خوانی ہو رہی ہے اور کبھی قوالی کبھی خبریں کبھی ڈرامے واہ یہ ہے اللہ کی قدرت! سبحان اللہ۔

ایک روز تائی نسرین نے خالہ شمسہ کو بتایا کہ میرا پہلا شوہر نشہ کرتا تھا گھر کا خرچہ بھی ٹھیک سے نہیں دیتا تھا۔ میں دال بھی بغیر تڑکے کے بناتی تھی۔ گھر میں فاقے چلتے۔ مگر پھر بھی اگر کبھی گھر میں کوئی مہمان آ جاتا تو دکھاوا کر کے گھر کی عزت بناتی۔ مہمان کو دکھانے کے لئے گڑوی میں ہاتھ ڈال کر چپاتی پر چپڑ کر بچوں کو دیتی تھی تاکہ دور بیٹھے مہمان یہ سمجھیں کہ بچے چپڑی ہوئی روٹی کھا کر سکول گئے ہیں میرے بچے خیراتی سکول اور خیراتی ہسپتال کی پیداوار ہیں۔ زچگی میں بھی کچھ آرام یا غذا مجھے نہیں ملتی تھی

بس یوں ہی ڈھکن ڈھکتے روتے دھوتے چند سال گزارے مگر جب حالت نہ سدھر سکی تو آخر کار طلاق لینا پڑی آخر کب تک پردہ رکھتی؟ مگر شکر ہے اب ہم پیٹ بھر کر کھاتے ہیں۔ کل کی فکر نہیں ہوتی اور میرا شوہر میرے پہلے بچوں کو بھی اتنا ہی پیار کرتا ہے جتنا اپنے بچوں کو۔ وہ تو میرے لئے بھی اچھے کھانے اچھے کپڑوں کے علاوہ آج میرا شوہر میرے لئے یہ پتر بھی خرید کر لے آیا ہے میرے شوہر نے وعدہ کیا ہے کڑے بھی لے کر دے گا۔ میرا یہ شوہر اچھا ہے میرا بہت خیال رکھتا ہے۔ ابھی تایا گلاب کی دوسری شادی کو ایک سال ہی ہوا تھا کہ اس کے بڑے بھائی کی بیوی نے بھی ملک عدم کی راہ لی۔ اور اس کے چالیسویں کے بعد تایا اسلم کا دل بھی پھر سے دولھا بننے کو مچل اٹھا اور چند ہفتوں کی تلاش کے بعد تایا اسلم نے اپنی دلھن تلاش کر لی تایا اسلم کے بیٹا اور بہو اس شادی کے حق میں نہیں تھے مگر باپ کو روک نہ سکے اور شادی طے پا گئی۔ اور پھر خیر سے بڑے تایا اسلم کی نئی دلھن اس کی بہو سے بھی کم عمر تھی وہ سانولی سلونی دلھن بڑی اداس رہا کرتی تھی اور اکثر اس کے ہونٹوں پر یہ شعر ہوتا

تو کون سی بدلی میں میرے چاند ہے آ جا
تارے ہیں میرے زخم جگر ان میں سما جا

اس کی آواز کی چاشنی میں اس کے دل کا سوز شامل ہو کر ماحول کو بھی سوگوار کر دیتا میں جو بڑی لطیف مزاج ہوا کرتی تھی مجھے پرسوز پرسرور اور میٹھے بول بھلے لگتے تھے اس لئے اکثر تائی پروین سے گانے کی

فرمائش کرتی تو تائی پروین وہ بھی ایک اپنا پسندیدہ گانا سناتی اور پھر اپنے دوپٹے کے پلو سے اشک برساتی آنکھوں کو خشک کرتے کرتے اپنے گانے کا اختتام کرتیں ہم بچوں کو نہیں خبر کہ وہ رو رہی ہے یا تقریباً آنکھوں سے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ تائی پروین کی شادی کے دو سال ہونے کو آئے تو تائی پروین کی گود جڑواں بیٹوں سے بھر گئی اس کے سوا سال بعد ایک لڑکی بھی پیدا ہو گئی۔ ان کے گھر کے ایک حصے میں تایا اسلم اپنے تین بچوں اور بیوی کے ساتھ رہتا تھا اور دوسرے حصے میں تایا گلاب اپنے ٹوٹل سات بچوں اور بیوی کے ساتھ قیام پذیر تھا اس کے علاوہ اسی گھر کے ایک حصے میں تایا اسلم کے بہو اور بیٹا اپنے تین بچوں سمیت مقیم تھے سب کے حصے میں دو۔ دو فیملی کمرے پر جاتے ان آتے تھے جبکہ باورچی خانہ غسل خانہ صحن اور چھت پر سب کا برابر کا حق تھا اور یہ گھر کم مرغی کا ڈربہ زیادہ لگتا تھا اور گھر میں مچھلی بازار کا ماحول بنا رہتا تھا کیونکہ ہر وقت گھر میں جھگڑا اور شور و غل مچا رہتا تھا۔ اکثر اوقات بڑوں نے محاذ جنگ کھولا ہوتا اور کبھی بچوں نے اعلانِ جنگ کر کے ایک دوسرے کو مار گرانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائی ہوتی۔ آخر کار تایا اسلم اور تائی پروین کو فتح مبین ہوئی اور تایا گلاب کے علاوہ تایا اسلم کے بیٹے اور بہو کو بمعہ اپنے بچوں کے دم دبا کر میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اور وہ لوگ کرایہ کے مکانوں میں رہنے چلے گئے۔ کبھی آ کر لڑ جھگڑ کر اپنے وجود کا احساس دلا جاتے تھے اور بس۔ مگر اب پورے گھر پر تائی پروین کی حکمرانی تھی۔ تایا اسلم کی اپنے بھائی کی فیملی سے اور بیٹے کی فیملی سے بھی شدید ناراضگی ہو چکی تھی ان کی آپس میں بات چیت یا آنا جانا ملنا ملانا مکمل طور پر ختم ہو چکا تھا۔

تائی پروین کا میکہ چونکہ دوسرے شہر میں تھا اس لئے تائی پروین کا زیادہ تر وقت اپنے گھر کی مملکت کی ذمہ داریوں سے فراغت کے بعد اپنے گھر کی ہر طرف کی دیوار سے جھانک کر دوسری طرف کی خبریں جمع کرنے کے لئے کبھی گھر کے پچھواڑے سب محلے داروں سے تعلقات استوار کرتی رہتی کبھی دائیں طرف کی خبریں لے کر بائیں طرف پہنچائی جاتیں اور یوں لمحوں میں ہر ایک گھر کی ہر خبر منٹوں میں سارے محلے میں پہنچ چکی ہوتی تائی پروین کا گھر لب سڑک تھا اور گھر کے سامنے سڑک پار تھانہ چوکی تھی جب تائی پروین سب گھروں کی رپورٹنگ سے فراغت پا لیتی تو پھر اس پولیس سٹیشن کا عملہ یا ماحول تائی پروین کے پیش نظر ہوتا یوں مختلف مناظر تائی پروین کی

عقابی نگاہوں میں ہوتے کوئی بھی چھوٹا یا بڑا مسئلہ ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکتا ایسی ڈھیر ساری مصروفیات کے باعث اپنی گھریلو مصروفیات اور ذمہ داریوں کے لئے شائد وقت کم پڑ جاتا تھا اس لئے کہ اپنے بچوں کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت پر توجہ دے سکے شائد نانی پروین کی ایسی ہی مصروف ترین گھڑی سے گزر رہی تھی جس وقت یہ حادثہ پیش آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے کیا سے کیا ہو گیا۔

ایک روز اچانک اس کے گھر سے چیخ و پکار ہوئی جسے سنکر خالہ شمسہ اور ان کی بیٹی رقیہ چھت پر سے دیوار پھاند کر جلدی جلدی ان کے گھر اتریں تاکہ معلوم کر سکیں کہ کیا قیامت برپا ہو گئی ہے نیچے جا کر دیکھا تو ان کی لڑکی کے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی تھی یا نو بری طرح جل رہی تھی خالہ اور اس کی بیٹی نے فوراً برتن میں پانی لے کر یانو پر انڈیل دیا یوں یانو کے کپڑوں کی آگ تو بجھ گئی مگر یانو بری طرح جل گئی تھی اور تکلیف سے بلک رہی تھی تڑپ رہی تھی کہ جلنے کی تکلیف ناقابل برداشت تھی۔ نانی تو اپنا سر پکڑے چیختی رہی جب جب کسی پر کوئی بڑی مصیبت آجاتی وہ لوگ فوراً امی جان کے پاس فریاد لے کر آجاتے۔ اللہ کی رحمت سے امی جان بھی ہر وقت خدمتِ خلق کے جذبات سے مغلوب رہتیں امی جان کو اپنے غنی ہونے پر بھی کوئی گھمنڈ یا غرور بالکل بھی نہیں تھا کیونکہ امی جان محترمہ تو اللہ پاک کی شکر گزار بندی تھیں اور اپنے وقت کی چھپی ہوئی ولی اللہ تھیں یا پھر دورِ حاضر کی رابعہ بصری۔ وہ اکثر کہا کرتیں کہ اگر اللہ تعالیٰ مہربان نے ہمیں غنی کیا ہے اور اوپر والے ہاتھ والوں میں کیا ہے تو ہمیں کبھی کسی سائل کو خالی نہیں لوٹانا چاہیئے بلکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ ہمیں اس قابل بنایا کہ دوسروں کی مدد کر سکیں۔ کیا ہوتا اگر اللہ تعالیٰ ہمیں امداد کے مستحق بنا دیتا تو؟ الحمد للہ کہ ہم کو اس قابل بنایا ہے دنیا میں رنگ رنگ کے لوگ بھرے پڑے ہیں بہت لوگ تنگ دل اور بخیل فطرت ہوتے ہیں سب کچھ ہوتا ہے مگر کسی کی مدد کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا اور مستحق کو دھتکار دیتے ہیں انہیں اس سے غرض نہیں ہوتی کہ کسی کی عزتِ نفس مجروح ہو گی اور خدا جانے کون کیسے حالات اور کس مصیبت میں گرفتار ہو کر مدد مانگنے آیا ہے

اس وقت رقیعہ بھاگی بھاگی امی جان کے پاس پہنچی اور بتایا کہ تائی پروین کی بیٹی بانو جل گئی ہے آپ سے مدد کی خواستگار ہے۔

امی جان نے فرمایا تم مریض کو لے کر ڈاکٹر رضوی کے کلینک پہنچو میں بھی ابھی آئی۔ امی جان نے ڈاکٹر کو کہہ دیا کہ برائے مہربانی اس بچی کا علاج پوری توجہ سے کریں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ ہو اور اس کا بل ہم ادا کریں گے۔ بچی مکمل صحت یاب ہو جانے تک آپ کے زیر علاج ہو گی ڈاکٹر رضوی ایک ریٹائر کیپٹن ڈاکٹر تھا جب سے اس نے ہمارے گھر کے قریب اپنا پرائیویٹ کلینک بنایا تھا جب بھی کسی کی مدد کرنا ہوتی یا پھر گھر میں ڈاکٹر کی ضرورت پڑ جائے ڈاکٹر رضوی ہی علاج اور دوا دارو کرتا ہاں اگر امی جان کو لیڈی ڈاکٹر کی ضرورت ہوتی تو پھر ڈاکٹر فاطمہ حیات یا ڈاکٹر خورشید حیات سے ملتیں۔ اپنا علاج معالجہ کرواتیں۔

خیر چند ماہ کے مسلسل علاج معالجہ سے تائی پروین کی بیٹی بانو مکمل طور پر صحت یاب ہو گئی تو تائی پروین امی جان کے پاس شکریہ ادا کرنے کے لئے آئی۔ وہ بیچاری دیر تک اپنی سوانح حیات سناتی رہی۔ اس نے بتایا کہ میرے دو بچے پہلے شوہر سے بھی ہیں یعنی ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے اور وہ دونوں بچے میرے والدین کے پاس رہتے ہیں۔ کیونکہ اس شوہر نے نکاح سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں ان پہلے بچوں کا بوجھ نہیں اٹھاؤں گا۔ تائی پروین نے آج اپنے سارے زخم کھول کھول کر امی جان کو دکھا دیئے۔ اس نے بتایا کہ لاہور کے نواح میں ہم سب کسی گاؤں میں رہا کرتے تھے اور میری شادی صرف پندرہ سال کی عمر میں کر دی گئی تھی۔ میرا شوہر بھی سترہ اٹھرہ سال کا جوان تھا۔ وہ تو بڑا سجیلا رنگیلا تھا۔ بہت چاہنے والا تھا۔

ہمارا آپس میں بے پناہ پیار تھا بس ہم دونوں تو ایکدوسرے کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے جب ہمیں اللہ تعالیٰ نے بیٹے سے نوازا تو ہماری خوشیاں دوبالا ہو گئیں پھر اللہ کی رحمت بنکر ایک بیٹی بھی میری گود میں آ گئی یوں تو ہم غریب لوگ تھے مگر ہمارے گھر میں پیار کی دولت بہت تھی ہمارا ہر دن عید اور ہر رات شب برآت ہوا کرتی تھی پھر اچانک ایک دن انڈیا کے بھیڑیوں نے پاکستان پر حملہ کر دیا۔

اور ان درندوں نے ہمارے گاؤں کو بھی آگ لگا دی تھی۔ اس رات میرا شوہر گھر پر نہ تھا کیونکہ وہ کسی دوسرے گاؤں کسی کی فوتگی پر

افسوس کرتے گیا ہوا تھا۔ جب ہم لوگوں کو اپنی جان بچا کر بھاگنا پڑا تھا۔ بہت سارے لوگ تو شہید ہو گئے مگر چند ایک اِدھر اُدھر بھاگ کر چھپ چھپا کر جان بچا کر جانے میں کامیاب ہو سکے۔ میں بھی جیسے کیسے اپنے دونوں بچوں کو لے کر میکے والوں کے ساتھ چل پڑی میرا میکہ نزدیک ہی تھا اس لئے وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر چلے تھے۔ دوسرے سارے ہی عزیزوں کا کہنا تھا کہ ایسے حالات میں تمہارے شوہر کا انتظار کرنا مناسب نہیں ہے۔ جب حالات سازگار ہوں گے وہ خود ہمیں اور ہم اس کو تلاش کر لیں گے۔ میں سب کے سمجھانے اور مجبور کرنے پر اپنے شوہر کے لئے خیر کی دعائیں اور پھر جلدی ملنے کی آس امید لئے اپنے بچوں کے ساتھ اپنے میکے والوں کے ساتھ چلدی۔ پھر نجانے میرے شوہر کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا کہ جنگ ختم ہو گئی مگر میرا شوہر لاکھ ڈھونڈنے پر بھی نہ مل سکا ہم نے اسے بہت تلاش کیا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر پانچ سال تک اس کا انتظار کرنے کے بعد میرے والدین نے سوچا کہ اس جوان لڑکی اور اس کے دو بچوں کا بوجھ اور ان کی ذمہ داری ہم غریب لوگ کب تک سنبھالیں گے۔ مولوی سے پوچھا تو اس نے کہہ دیا کہ دس سال تک اگر اس کا شوہر نہیں آتا تو تم لوگ اس لڑکی کی شادی دوسری جگہ پر کر سکتے ہو۔ تم پر کچھ گناہ نہیں ہوگا۔ میں تو بہت انکار کرتی رہی پر میرے والدین نہ مانے میں تو بہت روئی پیٹی کہ مجھے دوسری شادی نہیں کرنی مگر میری ایک نہ سنی گئی۔ اب جب میرا رشتہ گھر والوں نے اس آدمی سے کر دیا تو بارات والے دن میری سہیلیوں نے بتایا کہ دولہا ذرا ایڑی عمر کا ہے مجھے تو شادی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ مجھے یہ ہی غم کھائے جا رہا تھا کہ میرا پہلا شوہر جب کبھی یا اگر کبھی لوٹ کر آ گیا تو وہ یہ ہی کہے گا کہ تم میرا انتظار نہ کر سکیں اور دوسری شادی رچا بیٹھیں؟؟ جب کہ میرے میکے والوں کا کہنا تھا کہ اب گیارہ سال ہو چکے ہیں ہم نے اس کا انتظار بھی کر لیا اور اپنی سی کوششیں تلاش کے لئے ہم نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس کا تو کوئی اتہ پتہ ہی نہیں چل سکا پھر وہ تمہیں الزام کیسے دے سکتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ کفار نے اسے شہید کر دیا ہو ورنہ جیسے ہم اسے ڈھونڈنے نکلے ہوئے ہیں وہ بھی ہمیں تلاش کرنے کی کوشش ضرور کرتا اور آخر کو ہم سب ایکدوسرے کو مل ہی جاتے مگر اب ہم اس بیکار کی تلاش سے تھک کر مایوس ہو چکے ہیں اس لئے اب تم مانو یا نہ مانو دوسری شادی کرنی ہوگی۔

بس پھر کیا تھا زبردستی میری شادی طے کر دی گئی میری شادی کے بعد مجھے
پتہ چلا کہ جسکو میری سہیلیاں بڑی عمر کا دولہا سمجھ رہی تھیں وہ تو
دو لڑکے کا بیٹا تھا۔ اب اس بے جوڑ شادی کے نتیجے میں یہاں پر اپنے
بچوں سے بچھڑ کر تڑپ رہی ہوں اور دوسری طرف میرے بچے میری
جدائی میں تڑپتے اور مجھے ملنے دیکھنے کے لئے ترستے ہیں اِدھر میں دن گن
گن کر گزارتی ہوں اور جب بھی ممکن ہو سکے میں اپنے میکے جاکر اپنے بچوں
کو دیکھکر ان سے مل کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیتی ہوں اور پھر روتی بلکتی
ہوئی مجبور ہے بس ان بچوں کو روتے چھوڑ کر آنا پڑتا ہے۔ ہر بار جب
میں وہاں جاتی ہوں تو میرے دل کی یہ خواہش یہ تمنا یہ آرزو بھی
ہوتی ہے کہ اے کاش اب تک میرے شوہر کو میرے میکے گھر کا پتہ چل
گیا ہو اور وہ ہمیں تلاش کرتا ہوا بچوں کے پاس آ چکا ہو اور پھر
جب اس بار میں اپنے بچوں کو دیکھنے جاؤں تو بچوں کے ساتھ اسے بھی
دیکھ لوں۔ تب میں اس شوہر سے طلاق لے کر پھر اس کے ساتھ نکاح
کر لوں تاکہ ہم پھر سے اپنی جنت میں خوش خوش اکھٹے رہ سکیں۔
مگر اب تو سترہ سال ہو چکے ہیں شائد واقعی اس کو شہید کر دیا گیا ہوگا۔
جو پھر کبھی وہ لوٹ کر نہ آسکا نہ ہی اس کا سراغ ملا۔ تائی پروین
اپنی آنکھوں سے اشکوں کی برسات کرتے ہوئے اپنی داستان سناتی
رہی اور امی جان اس کو دلاسے دیکر چپ کراتی رہیں اور ہم
بچوں نے اپنی امی جان کو بتایا کہ تائی پروین گانا بھی اچھا گا
لیتی ہیں اور اس کی آواز بھی اچھی ہے اس پر امی جان نے بھی
تائی پروین سے کہا کہ تم مجھے بھی کچھ سناؤ۔
پہلے تو تائی پروین امی جان سے جھجکتی شرماتی رہی انکار میں سر ہلاتی
رہی پھر امی جان کے اصرار پر وہ ہی گانا سنا دیا جو کہ ہم بچے
پارٹی نے بارہا اس سے سن رکھا تھا بعد میں تائی پروین نے امی جان کو
بتایا کہ یہ گانا بھی میں اپنے پہلے شوہر کی یاد میں گایا کرتی ہوں
جب تائی پروین نے امی جان کو یہ گانا اپنی پرسوز آواز میں سنایا
جس گانے کے بول تھے

تو کون سی بدلی میں میرے چاند ہے آجا
تارے ہیں میرے زخم جگر ان میں سما جا

تو اس کی آنکھوں سے موتیوں کی لڑیاں ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہی تھیں

گما ناختم ہوتے ہی وہ اپنے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں پونچھتی ہوئی اٹھی اور
پھر کبھی آنے کا کہکر چلی گئی ابھی شائد دو ہفتے ہی گزرے ہونگے کہ وہ اپنے
دونوں جڑواں لڑکوں کو جو کہ ابھی چھ سال سے بھی کم عمر کے تھے۔ ساتھ لے کر
روتی ہوئی آئی کیونکہ ڈاکٹر کی ضرورت تھی اس کی درخواست پر امی
جان جلدی جلدی ان کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئیں اور پھر کافی دیر بعد
لوٹیں تو غصے میں بھی تھیں مگر غصے کے باوجود کبھی کبھی مسکرا بھی
رہی تھیں۔ کہ یہ احمق لوگ ہر وقت تت تیا سین اور ڈرامہ کرتے
رہتے ہیں۔ تائی پروین کے بچے اتنے بد تمیز ہیں کہ اب ایک لڑکے نے ناک
میں مٹر کا دانہ چڑھا رکھا تھا تو دوسرے نے خیر سے مسور کا دانہ کان
میں ڈال لیا تھا۔ کان سے کنکی اور مسور کا دانہ تو پھر بھی نکال لیا گیا تھا
مگر ناک سے مٹر کا دانہ نکالنا ڈاکٹر کو عرصے تک نہ بھول سکے گا۔
جوں توں کرکے لڑکے نوجوانی کی عمر میں پہنچے تھے کہ تایا اسلم اس جہان
فانی کو خیر باد کہہ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اور تائی پروین بیوہ ہوگئی۔
اب تو تایا اسلم کا بھائی تایا گلاب اور تایا اسلم کا بیٹا اپنی اپنی فیملی
سمیت پھر سے اس مکان میں آدھمکے کہ ہم کیوں کرایہ کے مکان میں
رہیں اور یہ بیگم بن کر ہمارے گھر میں دندناتی پھرتی رہے۔ چونکہ تایا
گلاب کی فیملی کے ممبر زیادہ تھے اور عمر میں بھی بڑے تھے ان لوگوں نے تو
تائی پروین کا ناطقہ بند کرکے رکھ دیا اس لئے اب تائی پروین کو یہ گھر
چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا اب تائی پروین کو پھر سے اپنے میکے گھر
جاکر رہنا ضروری ہوگیا تو وہ روتی دھوتی ہوئی، امی جان کے پاس
آئی اس نے بتایا کہ آپ سے ملنے آئی ہوں اب تو یہاں رہنا میرے بس میں
نہیں رہا کہ ان سب نے مل کر میرا ناطقہ بند کر رکھا ہے تائی پروین بیچاری
زار و زار رو رہی تھی کہ میرے والدین نے میرے سر میں کھے سوا بھی ڈالی
مگر یہ بڈھا اب مر گیا ہے اس کے تین بچوں کو لے کر کہاں جاؤں؟ میرے دو
بچے پہلے شوہر سے تھے وہ تو پہلے ہی میری ماں اور میرا باپ دیکھ سنبھال کر
رہے ہیں اور اب تین بچے اس کے ایک میں خود ہوں مرنے والے نے تو کچھ
چھوڑا بھی نہیں کہ میرا خرچہ ہی چلتا رہتا اب تو میرے بوڑھے باپ اور
بھائیوں پر ہی ہم سب کا بوجھ پڑے گا میں آپ سے فریاد کر رہی ہوں
آپ میرا ماہانہ مقرر کر دیں بڑی مہربانی ہوگی۔ مجھے تسلی رہے گی کہ میرا
ماہانہ وظیفہ لگ گیا ہے میرا حیلہ وسیلہ ہوگیا ہے۔ ورنہ تو راتوں کی
نیند بھی مجھ سے روٹھتی جا رہی ہے دن بدن فکر پریشانی مجھے بیمار بناتی جا

رہی ہے۔ امی جان نے اسے تسلی دی کہ حوصلہ رکھو اللہ تعالیٰ رازق ہے جس کا جتنا رزق لکھا ہے وہ مل ہی جاتا ہے امی جان نے دو سو روپے دے کر تائی پروین سے کہا کہ تم اپنا اکاؤنٹ کھلوا کر اپنا اکاؤنٹ نمبر اور اپنا اتہ پتہ مجھے دے دینا میں خود بھی زکوٰۃ صدقہ خیرات فطرانہ یا رمضان شریف میں روزے رکھوانے کے لئے رقم کچھ نہ کچھ جمع کرواتی رہا کروں گی اور اپنے ملنے ملانے والوں سے بھی کہہ کر تمہارے اکاؤنٹ میں ڈلوا دیا کروں گی تمہاری روزی روٹی چلتی رہے گی۔

لیکن ماہانہ لگانا میرے لئے بہت مشکل ہے میرے اپنے بچے سکول کالج یونیورسٹی میں پڑھ رہے ہیں اس کے علاوہ بھی بے شمار دوسرے اخراجات ہیں اور مہمان داری کا تو کوئی حد حساب ہی نہیں ہوتا ایسے میں ماہانہ وظیفہ لگانا تو ناممکن ہو گا۔ پھر تائی پروین لاہور چلی گئی بہرحال تائی پروین جب چلی گئی تو کبھی کبھار تائی نسرین آجاتی تھی اور وہ سب کی خیر خیریت کی اطلاع دے دیتی تھی۔ اور اپنے گھر کی رپورٹ پہنچا کر چلی جاتی تھی۔ اسے مالی امداد کی ضرورت نہیں تھی۔ اور پھر ایک رات تایا گلاب کا لڑکا رات کو 9 سے 12 کا فلم کا آخری شو دیکھ کر لوٹ رہا تھا کہ راستے میں اسے کچھ لوگ مل گئے وہ نوجوان لڑکا اندھیری رات میں پیدل ہی چلا آرہا تھا اس کے دل میں اگر کچھ خوف یا دہشت پیدا ہوتی تو کبھی فلمی گانے گنگنانے لگتا اور کبھی سیٹی بجا لیتا اب جب اسے کچھ راہگیر مل گئے تو اس نے سوچا چلو ان مسافروں کے ساتھ میرا سفر بے خوف کٹ جائے گا وہ انکے ساتھ چلا جا رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ان کے پاؤں پر پڑ گئی رزاق نے دیکھا کہ ان لوگوں کے پاؤں تو گھوڑے یا گدھے کے سموں جیسے ہیں یہ دیکھتے ہی رزاق ان سے ڈر کر سرپٹ بھاگا وہ کافی دیر تک بھاگتا رہا اور پھر ہانپتے کانپتے ہوئے تھک کر ایک جگہ رک کر اپنی سانسیں درست کرنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد کچھ لوگ اس کے قریب سے گزرے رزاق کو آدھی رات کے وقت اکیلے گھبرائے ہوئے دیکھ کر پوچھا کہ او نوجوان تم کون ہو؟ اور اس وقت یہاں کیوں کھڑے ہو؟

رزاق نے جواب میں کہا اچھا ہوا اب آپ لوگ مل گئے ہیں تو میں اب اکیلا نہیں رہا ورنہ تو میں نے ایک عجیب سی مخلوق دیکھی تھی جس کی وجہ سے میں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا تھا آخر تھک کر مجھے یہاں رکنا پڑ گیا تھا ان لوگوں نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیا دیکھا تھا کہ اسقدر ڈر گئے؟

رزاق نے ان لوگوں کو بتا دیا کہ مجھے کچھ لوگ ملے تھے جن کے پاؤں گھوڑے

پاگدھوں کے سموں جیسے تھے وہ نجانے کونسی مخلوق تھی میں تو ڈر گیا اور جان بچانے کے لئے بھاگ اٹھا تھا اور جب تھک گیا تو اپنی پھولی ہوئی سانس درست کرنے کے لئے یہاں رکنا پڑا۔

ان لوگوں نے رزاق سے پوچھا کہ کیا ان لوگوں کے پاؤں اس طرح کے تھے جیسے رزاق نے ان کے پاؤں کی طرف دیکھا تو پھر سے بدحواس ہو کر بھاگ اٹھا کیونکہ یہ لوگ بھی اس ہی قسم کے تھے اور پھر وہ آخر کو بھاگتے بھاگتے تھک کر رک گیا۔ اس کا سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اس کی سانسیں ٹوٹ رہی تھیں رزاق ایک پتھر دوکان کے تھڑے پر بیٹھ کر اپنی سانسیں درست کر رہا تھا اور پریشان تھا کہ کیا کرے۔ کہ پھر اسے کچھ لوگوں کا ٹولہ ملا۔ راہگیروں نے پوچھا خیریت تو ہے؟ اتنے بدحواس اور پریشان کیوں ہو؟

رزاق نے پھر اپنی روداد سنائی اور بتایا کہ یار یہ معاملہ میرے ساتھ ہو رہا ہے نجانے وہ کون لوگ ہیں؟ اور میرے پیچھے کیوں لگ گئے ہیں؟ ان لوگوں میں سے ایک نے پاؤں آگے کر کے پوچھا کیا ان لوگوں کے پاؤں اسطرح کے تھے؟ رزاق اس کے پاؤں پر نظر پڑتے ہی سر پر پاؤں رکھکر بھاگا۔ تین چار مرتبہ اس کے ساتھ یہ ہی معاملہ پیش آیا۔ آخر کار رات کے ۱ بجے کے بعد رزاق نے اپنے گھر کی گھنٹی بجائی اور اپنے گھر کے دروازے پر ہی بیہوش ہو کر گر گیا اسے شدید بخار تھا۔ اور وہ 4 دن تک بیہوش رہا ہر قسم کا روحانی جسمانی علاج معالجہ ہوتا رہا سارے گھر والے گھبرائے ہوئے ڈرے سہمے ہوئے تھے رزاق بہت دنوں تک چلاتا شور مچاتا رہا سخت بخار میں پھنکتے ہوئے الٹی سیدھی حرکات کا مرتکب ہوتا رہا کبھی وہ چیختا مجھے چھوڑ دو میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ بچاؤ مجھے بچاؤ، وہ مجھے لئے جا رہے ہیں وہ ہاتھ پاؤں چلاتا جیسے کسی سے ہاتھا پائی کر رہا ہو اور چلاتا کہ تم کون ہو؟ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟ میں تمہیں نہیں جانتا۔ میں نے تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑا جاؤ تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔ کئی مہینے یہ حالت رہی گھر والے اسے لئے لئے جگہہ جگہہ پھرتے روحانی علاج کرواتے رہے بالآخر وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔ مگر سب بچوں کے ہاتھ ایک مشغلہ آچکا تھا۔ بچے جب بھی رزاق کو دیکھتے تو پوچھتے رزاق بھیا کے ایدان یعنی کیا ایسے؟ اکثر بچوں کے گھروں میں تایا گلاب شکائت لے کر جاتے تھے کہ میرے

بیٹے پر کوئی خبیث مخلوق مسلط ہو گئی تھی جس کے زیر اثر میرا بیٹا مرتے مرتے بچا ہے اور ہم سب گھر والوں کی مصیبت ٹلی ہے اور آپ لوگوں کے بچوں کو ایک تفریح مل گئی ہے جو میرے بیٹے کی ہنسی ٹھٹھے اڑاتے ہیں۔ آپ لوگ ہمارے دکھ درد اور پریشانی کا اندازہ کیسے کریں گے رزاق آپ کا بیٹا نہیں تھا اگر آپ کے بچوں پر سایہ جن وغیرہ ہوتا تو میں دیکھتا کہ وہ کیسے تماشے کرتے اور پھر آپ لوگوں سے پوچھتا کہ کیسی گزر رہی ہے آپ لوگوں کو خدا کا خوف نہیں ہے اس لئے اپنے بچوں کو سمجھاتے اور روکتے نہیں ہیں۔ اب میں خود ایسے بچوں کی پٹائی کروں گا پھر کر لیتا جو بھی کرتا ہو گا وغیرہ وغیرہ

تایا گلاب کا بیٹا S.D.O بن کر کسی دوسرے شہر تعینات ہو گیا اور اپنے والدین کو بھی ساتھ لے گیا دوسرے بھی بڑے ہو چکے تھے سب سے چھوٹا بیٹا ایک ایکسیڈنٹ میں ٹانگ ضائع کر چکا تھا اس لئے سائیکلوں کی دوکان کھولے بیٹھتا تھا اس کے بعد میں بیاہ کر انگلینڈ آ گئی تھی اس بات کو عرصہ ہو گیا ہے۔ مگر بچپن کی یادیں سلامت ہیں۔

مگر آج بیٹھے بیٹھے بچپن کی یادیں ذہن میں آ دھمکیں تو سوچا چلو یہ واقعہ بھی قلم بند کر ہی لوں حالانکہ تائی نسرین اور تائی پروین تایا گلاب سب عرصہ قبل اس جہان فانی کو خیر باد کہہ چکے ہیں لیکن ان کی یادیں ابھی بھی تازہ ہیں

یہ کون گا رہا ہے؟

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

کہ گزرے ہوئے کچھ دن ایسے ہیں
تنہائی جنہیں دہراتی ہے

# منزہ

آج میری نواسی کی چھٹی سالگرہ تھی۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔
اس لئے گارڈن پارٹی کا انتظام کیا گیا تھا ہلکی ہلکی دھوپ
کھلی ہوئی تھی۔ پھولوں کی مہک مشامِ جان کو معطر کر رہی
تھی۔
لان میں کرسیاں بچھا دی گئیں اور تمام میزوں پر کلر سے
سجا کر مشروبات کی بوتلیں اور چاکلیٹ بسکٹ رکھے گئے تھے
تاکہ پارٹی شروع ہونے تک چاکلیٹ بسکٹ اور مشروبات
سے دل لگی کر کے لطفِ دہن حاصل کیا جا سکے
قریب قریب تمام مہمان آ چکے تھے۔ چونکہ یہ چھوٹے چھوٹے
بچوں کی پارٹی تھی اور یہ ننھے ننھے فرشتے مہمان بنکر اکیلے
آ نہیں سکتے تھے اس لئے ان ننھے منے مہمانوں کے ساتھ ساتھ ان
کے والدین کو بھی دعوت دے دی گئی تھی کہ وہ بھی تشریف
لا کر محفل کی رونق کو دوبالا کر کے تشکریہ کا موقع فراہم
کریں
اس وقت شام کے پانچ بجنے کو تھے سارے باغیچے میں بچوں کے
قہقہے گونج رہے تھے۔ میوزک کی دھن پر بچے اچھل کود کر
رہے تھے بچوں کے کھل کھلاتے مسکراتے چہرے نظر آ رہے تھے۔
والدین کو بھی مل جل کر گپ شپ کا اچھا موقع مل گیا تھا۔ سب
ہشاش بشاش چہرے مل جل کر محفل کی رونق سے خوشیاں
بٹور رہے تھے اور خوشیوں کی برسات میں جیسے نہا رہے تھے۔
ایک لڑکی منزہ جو کہ میری بیٹی کی کولیگ تھی وہ ابھی شادی شدہ
تو نہیں تھی پھر بھی میری بیٹی نے اسے بھی اپنی بچی کی برتھ ڈے پارٹی
میں انوائٹ کر لیا تھا۔
اب جبکہ تمام مہمان آ چکے تھے اور صرف منزہ کا ہی انتظار تھا۔ تاکہ
اس کے آتے ہی کیک کاٹ لیا جائے گا۔
سب سے آخر میں منزہ بھی آ ہی گئی۔ وہ لڑکی اس قدر خوبصورت تھی
کہ سب کی نظریں اس پر جم کر رہ گئیں۔ اس کی بھولی بھالی پیاری
صورت معصوم شرمیلی نگاہیں طبیعت میں ٹھہراؤ میٹھا لب و لہجہ
سادہ لباس میں ملبوس وہ کسی مصور کا شہکار لگ رہی تھی
منزہ سب کے دلوں میں اتر گئی اس کے بغیر میک اپ حسین سراپا
نے سب کو متاثر کر دیا تھا۔ رسمی تعارف اور خیر خیریت کے بعد

بچوں کو جمع کر کے کیک کاٹا گیا سب کے تحائف کیلئے شکریہ ادا کر کے بچی کے لئے بے پناہ دعائیں اور پیار سمیٹا گیا

اس کے بعد کھانے کا دور چلا تو سب نے چٹخارے لے لے کر کھانا تناول کیا۔ اس کے بعد کچھ دیر گپ شپ اور پھر ملتے ملاتے کے وعدے کئے گئے جس کے بعد ایک ایک کر کے تمام مہمان رخصت ہوتے گئے

چھوٹے بچوں کا بیڈ ٹائم نکلا جا رہا تھا بچوں کو نہلا کر نائٹ سوٹ پہنائے یوں بیڈ ٹائم سٹوری سنتے سنتے امیقہ اور سائرہ نیند کی گود میں سر رکھ کر خوابوں کی دنیا میں جا پہنچیں۔

اگلی صبح سب اپنی اپنی روز مرہ کی زندگی کے معمولات پر رواں دواں ہو گئے۔ ترو تازہ دل و دماغ سے اپنی اپنی ڈیوٹی پر چل پڑے۔

شام ڈھلے مسز ظفر کا فون آ گیا وہ منترہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ میری بیٹی نے کہہ دیا کہ معاف کیجئے میں منترہ سے پوچھے بغیر آپ کو اس کا فون نمبر یا اس کے گھر کا پتہ نہیں دے سکتی۔ ہاں بنیادی معلومات دے سکتی ہوں یعنی منترہ ابھی کنواری لڑکی ہے تعلیم ایم۔اے اور سلجھی ہوئی شائستہ اطوار شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اس کے قد و قامت شکل و صورت اور مزاج میں سادگی آپ لوگوں نے دیکھ ہی لی ہے

میری بیٹی نے محمودہ ظفر سے پوچھا کہ آپ منترہ کے بارے میں اسقدر چھان بین کیوں کر رہی ہیں؟ تو وہ ہنس کر بولی دراصل میرا چھوٹا بھائی بہت نٹ کھٹ طبیعت کا مالک ہے اور وہ تو شادی کے نام سے ایسے بدکتا ہے جیسے کہ کوئی سرکش گھوڑا بدکتا ہو مگر جب سے ہم نے منترہ کو دیکھا ہے وہ لڑکی ہمارے من کو ایسی بھا گئی ہے کہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے بھائی کے پاؤں میں شادی کی زنجیر ڈال ہی دیں۔ ہمارا دل کہتا ہے کہ منترہ جیسی ہمہ صفت موصوف دلہن کو پاکر میرے بھائی کی رنگین مزاجی میں، اس کی سیمابی طبیعت میں بھی ٹھہراؤ آ جائے گا اور شائد وہ سدھر جائے اور پھر شائد وہ گھریلو زندگی میں دلچسپی لینا سیکھ جائے۔ گھریلو زندگی کا عادی ہو جائے اور ذمہ دار بن جائے۔

میری بیٹی مسز ظفر کے خیالات سے متفق نہیں تھی کیونکہ کہاں محمودہ ظفر کا عیاش طبع بھائی اور کہاں منترہ جیسی شریف سیدھی سادی بھلی لڑکی؟

ہم سب کا خیال تھا کہ اگر یہ بے جوڑ رشتہ ہو بھی جائے تب بھی یہ بیل منڈھے نہیں چڑھے گی۔ اسی لئے ہم لوگوں کو اس معاملے میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ خوامخواہ کسی معصوم کی زندگی خراب کرکے بددعائیں کیوں لیں اسی بنا پر میری بیٹی نے محمودہ ظفر کے لاکھ اصرار کرنے کے باوجود منزہ کا فون نمبر یا ایڈریس دینے کے سلسلے میں ٹال مٹول سے کام لیا تھا اسی وجہ سے انکے دل میں گانٹھ پڑ گئی تھی مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے؟ لیس اسے اتفاق ہی کہہ سکتے ہیں کہ اُس آفس میں مسز ظفر کی نند بھی جاب کرتی تھی جہاں پر منزہ کی پھوپھی سروس کرتی تھی۔ لنچ بریک میں بات چیت کے دوران محمودہ ظفر کی نند رخسانہ نے منزہ کی پھوپھی ریحانہ سے پوچھا کہ کیا آپ کی نظر میں کوئی اچھی لڑکی ہے جسے ہم اپنے رشتہ دار لڑکے سے بیاہ کر اپنے خاندان میں شامل کر سکیں؟ تب ہی دوران گفتگو ریحانہ کو اپنے بھائی کی بیٹی منزہ کا خیال آ گیا۔ منزہ کے والدین بھی تو منزہ کیلئے فکرمند ہیں! تب اس نے سوچا کہ بیٹیوں کو تو بیاہ کر کے ایک نہ ایک دن اپنے گھر جانا ہی ہوتا ہے۔ پھر بنا دیکھے بھالے رشتے سے انکار نہیں کرنا چاہیئے یہ سوچ کر ریحانہ نے رخسانہ سے لڑکے اور اس کے فیملی ممبرز کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں اور رخسانہ سے کہہ دیا کہ میرے بھی بھائی کی بیٹی جوان ہے تعلیم بھی ابھی مکمل کر کے سروس شروع کی ہے۔ میں اپنے بھائی بھابھی سے بات کروں گی۔ نتیجہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑتے ہیں اب ہمیں اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ رشتہ داری ہو یا نہ ہو سکے مگر ہماری دوستی کے رشتے میں بھی دراڑ نہیں آنی چاہیئے کیونکہ یہ تو نصیبوں کے کھیل ہوتے ہیں

اگلے دن پھر لنچ بریک میں دونوں خواتین کی ملاقات ہوئی تو رخسانہ کے پوچھنے پر ریحانہ نے بتا دیا کہ میں نے اپنے بھائی بھابھی سے بات کی تھی اور ان کا کہنا ہے کہ جب بچے جوان ہو جائیں تو رشتے آیا ہی کرتے ہیں اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے اگر بچیوں کے سنجوگ ہونگے تو رشتہ ہو جائے گا فریقین کے مل لینے میں حرج نہیں ہے۔ دیکھ سنکر سوچ سمجھ

کر بات کو آگے بڑھائیں گے۔ ریحانہ نے لڑکی اور لڑکے والوں کو
اپنے گھر میں بروز اتوار شام کی چائے پر مدعو کر لیا تاکہ دونوں
طرف سے مل بیٹھ کر تبادلۂ خیالات ہونے کے ساتھ لڑکا لڑکی
ایک دوسرے کو دیکھ بھی لیں اور تھوڑی بات چیت کا بھی موقع مل جائے
اب تو دونوں خواتین اپنے طور پر خوش تھیں کہ جلد ہی ان کی
دوستی رشتہ داری میں تبدیل ہو جائے گی۔ انتظار ختم ہو گیا۔
چھٹی کے روز دونوں گھرانوں کے مرد اور خواتین بمعہ اپنے لڑکا لڑکی کے
ریحانہ کے گھر اکٹھے ہو گئے منظور تو منزہ کو دیکھتے ہی لٹو ہو گیا
یوں بھی منظور انتہائی رنگین مزاج اور دل پھینک قسم کا شخص
تھا اس کی سیمابی اور عیاش فطرت عورت ذات کو ایک کھلونے
سے زیادہ اہمیت نہ دیتی تھی۔ والدین کی چشم پوشی کے باعث
نجانے کتنی لڑکیوں کو ورغلا کر چکمے دے چکا تھا اب منظور جلد
سے جلد منزہ کو پانے کے لئے بے چین اور بے قرار ہو چکا تھا
اِدھر بیچاری منزہ اللّٰہ تعالیٰ کی گائے ایک کھونٹے سے کھول کر
دوسرے پر باندھ دو تو آواز نہ نکالے۔ جلد ہی فیصلہ کر کے
دونوں گھرانوں نے بنیادی سوال جواب کے بعد اپنی اپنی رضامندی
ظاہر کر دی بس پھر کیا تھا جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ ہو گیا اور
والدین کے کاندھوں سے بیٹی کا بوجھ اتر گیا۔ اب والدین
ہلکے پھلکے ہو کر سکھ کی سانس لینے لگے اور آرام کی نیند آنے لگی
چند ہفتے شادی کی گہما گہمی رہی نئے جوڑے کی دعوتوں کا سیزن تھا
بڑی بڑی رقمیں اور قیمتی تحائف شگن کے طور پر بٹورے گئے
اور پھر چند ماہ بعد جبکہ منزہ امید سے تھی اور منظور کا دل منزہ
سے بھر چکا تو منظور اپنی پرانی ڈگر پر پھر سے چل پڑا اب تو
اس نے منزہ سے منہ پھیر لیا اور نت نئے شکار کی تلاش میں کتے
کی طرح پاگل ہو کر گاڑی بھگاتا پھرتا۔ وہ کہاں جاتا؟ کیا کرتا ہے؟
کب لوٹے گا؟ اس کا ذریعہ آمدنی کیا ہے۔ اپنی کمائی کہاں گنواتا
ہے اس کے متعلق جاننے کا منزہ کو کوئی حق نہ تھا
مہینہ بیس دن بعد منزہ سے اس کا سامنا ہوتا وہ منزہ کو
ڈانٹ پھٹکار کرکے دھتکارتا رہتا زبان کے ساتھ ساتھ بے دھڑک وہ
ہاتھ بھی چلاتا۔ اسے روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ تو انتہائی خودسر تھا

جب کہ منزہ پریشان کن حالات سے دوچار تھی اور منزہ شوہر کی توجہ
کی خواہش مند تھی اگر کبھی شکوہ شکائت کرتی یا روٹھ کر اپنی
ناراضگی ظاہر کرتی تو منظور ایک پرانا کھلاڑی تھا اس جیسے گھاگ
لفنگے پر منزہ کے آنسو کچھ اثر نہ دکھاتے اس کی آہیں بے معنی
تھیں اس کا روٹھنا بیکار اور اس کی ناراضگی فضول تھی۔ منظور کی
جب جب منزہ سے توہین آمیز تلخ لہجے میں بات ہوتی تو منزہ اپنی
ناراضگی ظاہر کرنے کیلئے منہ لپیٹ کر رخ موڑ بستر پر لیٹ جاتی تو وہ
منزہ کے اس طرح ناراضگی کے اظہار پر بجائے اس کے کہ پیار محبت سے
اپنی بیوی کو منائے یا پھر اپنی بیرونی مصروفیات کا کچھ بہانہ
بنائے منظور اپنی شراب کی بوتل منہ سے لگا کر منزہ کو بھی
ایک پیگ پی لینے کا مشورہ دیتا وہ اکثر لوگوں سے گلہ کرتا کہ یہ
میری بیوی میرا کہنا نہیں مانتی اپنی من مرضی کرتی ہے
وہ جب زیادہ نشے میں ہوتا تو بڑا خوش ہو کر لہک لہک کر گاتا

ہم چھین لیں گے تم سے یہ شانِ بے نیازی
تم مانگتے پھرو گے اپنا غرور ہم سے

منظور کے بچاری منزہ کو ملامت کرتے کہ یہ ڈائن اپنے شوہر کی بے ادب
نافرمان گستاخ ہے شوہر تو مجازی خدا ہوتا ہے اور یہ عورت گھٹی ہے
اپنے خدا کی باغی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے کبھی معاف نہیں کرے گا وغیرہ
وغیرہ کبھی کسی نے منظور سے یہ نہیں پوچھا کہ منزہ نے تمہاری کیا حکم عدولی کی
ہے دراصل منظور انتہائی شاطر اور جرائم کی دنیا کا دادا تھا
مگر اپنے عزہ و اقربا کے سامنے ایک کھلنڈرا شوخ طبع
نوجوان جبکہ اس کا ایک ہنس مکھ روپ اپنوں میں
مقبولیت رکھتا تھا اور منزہ کے سامنے وہ ایک ظالم
اور فاسق و فاجر مجرم بن کر فرعون کا روپ دھار لیتا تھا
ایسے میں سسکتے بلکتے منزہ زندگی کے دن پورے کر رہی تھی
منزہ نے اپنی کسی پریشانی کا سایہ بھی اپنے والدین پر نہ
پڑنے دیا تھا۔ ان کے خیال میں سب ٹھیک چل رہا تھا۔ مگر منزہ تو
اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر وقت گزار رہی تھی۔ تڑپ تڑپ کر

دن گزارتے شادی بربادی کے 35 سال بیت چکے ہیں۔ منزہ
اور منظور کے بچے اپنے گھروں میں خوش گوار اور مطمئن
زندگی گزار رہے ہیں منزہ نے بچوں کی تعلیم و تربیت میں اور
بچوں کی آئندہ زندگی سنوارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی
ملازمت کرتی تھی گھر اور بچوں کو سنبھالتی تھی اور اچھے
برے میں تمیز سکھاتی بھلائی برائی کا فرق بتاتی تھی پھر
بھی اب جب کہ بچے اپنے گھروں میں سکھی ہیں وہ اپنی والدہ سے
ناراضگی کا اظہار کرتے رہتے ہیں بچوں کا اپنی ماں سے شکوہ
ہے کہ ہماری کم ہمت ماں نے اگر تھوڑا حوصلہ کیا ہوتا تو بروقت
اس شیطان سے جان چھڑا سکتی تھی جو مخواہ اپنی زندگی جہنم
میں گزارتی رہی اور اب 15 سال سے منظور بستر مرگ پر
پڑا سسک رہا ہے منزہ کے سوا اس کا کوئی پوچھنے والا
بھی نہیں ہے منظور مکمل طور پر مفلوج ہو چکا ہے۔ اس
کی سماعت اس کی بصارت اور قوت گویائی بھی سلب کر لی
گئی ہیں اسکی بدکاریوں کی سزا اللہ تعالیٰ قہار و جبار نے اسے تو
دی سو دی مگر اس سے بڑھ کر سزا تو منزہ کاٹ رہی ہے جو کہ
چوبیس گھنٹے اس کی دیکھ بھال کرتی ایک ایک چمچ غذا اس کے منہ
میں ڈالتی ہے اس کے غلاظت سے بھرے وجود کو صاف کرتی اس
کے پوتڑے بدلتی ہے جیسے کسی نومولود کی دیکھ بھال کی
جاتی ہے ویسے ہی منظور منزہ کے رحم و کرم سے اپنی بیکار محتاج
زندگی کے دن پورے کر رہا ہے اس کے والدین اور منزہ کے
والدین بھی وفات پا چکے ہیں کوئی عزیز پوچھنے بھی نہیں آتے
ادھر منزہ کے بچوں کی نظروں میں ان کی ماں بھی اتنی ہی گنہگار
ہے جتنا ان کا باپ ہے۔ بچوں کا کہنا ہے کہ ظلم سہتے رہنا بھی اتنا بڑا ہی
گناہ ہے جتنا کہ ظلم کرنا۔ ہماری ماں نے بھی خود پر ظلم کیا ہے۔
کیوں ہماری ماں نے بروقت طلاق نہیں لی تھی؟ کیوں اپنی جان نہیں چھڑائی؟
مگر منزہ کا کہنا ہے کہ مجھے اپنی دکھوں بھری زندگی کا ملال نہیں رہتا جب
میں دیکھتی ہوں کہ میرے بچے اپنے اپنے گھروں میں خوش باش پر سکون
زندگی گزار رہے ہیں خدا تعالیٰ سے التجا ہے کہ میرے بچے سدا خوش اور

آباد دلشاد رہیں آمین ثم آمین یا رب العالمین آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم آمین

ایک دن منترہ کی پڑوسن میری بیٹی سے ملنے آئی تو منترہ کی حالت پر افسوس کر رہی تھی کہ بیچاری منترہ چوبیس گھنٹے کھڑے پاؤں رہتی ہے ہر وقت اس کو منظور کی حضوری میں رہنا پڑتا ہے 15 سال سے اس کی زندہ لاش کو پھولوں کی طرح دیکھ ریکھ کر کے سنبھال رہی ہے

اب تو منترہ کے مخالفین بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ آفرین ہے منترہ کے صبر اور حوصلے پر اور شاباش ہے منترہ کی خدمت گزاری پر۔ اب لوگوں کا خیال ہے کہ منترہ یقیناً جنتی خاتون ہے۔ منترہ کی زندگی تو جیسے قید با مشقت ہے

پڑوسن کہہ رہی تھی اب تو 15 سال ہو چکے ہیں منظور مفلوج پڑا ہے جب وہ تندرست تھا تب بھی منترہ کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب بنکر ہی رہتا تھا اور اب جب مفلوج اور نادار ہو چکا ہے تو بھی منترہ کے لئے قہر الہی سے کچھ کم نہیں ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر کوئی جانور ایسی حالت میں ہوتا تو اسے حلال کر لیتے جان سے مار دیتے مگر جب تک منظور قضائے الہی سے نہ مرے گا منترہ کی یہ قید بامشقت ختم نہ ہو گی یوں تو منترہ کی اپنی ساری زندگی ہی سزا کاٹتے گزر رہی ہے۔ پیار محبت ضدیں دلار عزت قدر تو سب میکے کی میٹھی یادوں میں ہی سمٹ کر رہ گیا تھا اب تو منترہ کی اپنی صحت بھی ٹھیک نہیں رہتی نجانے اس غریب کو کب سکھ کی سانس لینا نصیب ہو گی دکھوں سے نجات ملے گی۔

یہ سب جان کر مجھے بھی بہت دکھ اور افسوس ہوا۔ میں سوچ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کتنی بے نیاز ہے کہ وہ شخص جو انتہائی خود پسند مغرور تھا وہ جو ہر وقت اتراتا اٹھلاتا منترہ کو جسقدر ممکن ہوتا دکھی کر کے رلایا اور چڑایا کرتا تھا اور اکڑ فوں دکھاتا تھا اس وقت وہ خود نشانِ عبرت بنا ہوا پورے طور پر منترہ کے رحم و کرم پر پڑا اپنی سانسیں گن رہا ہے وہ جو منترہ کو کہا کرتا تھا کہ تم مانگتے پھرو گے اپنا غرور ہم سے

آج اس کا اپنا غرور کبر چکنا چور ہو چکا ہے اور وہ اللہ جبار اور

قہار کی سخت پکڑ میں آکر اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب میں جکڑا ہوا ہے
استغفراللہ ربّی یا غفور یا رحیم ہم آپ سے اپنے صغیرہ اور کبیرہ
گناہوں کی معافی کے طلبگار ہیں۔ ہمارا ہر وہ گناہ جو ہم نے جانتے
بوجھتے کیا یا پھر انجانے میں ہم سے سرزد ہو گیا جو ہم نے ارادۃً کیا
یا پھر غیر اردی طور پر بھی جو گناہ جو خطا جو غلطی ہم سے ہو چکی ہے
یا ارحم الراحمین اپنی رحمت سے ہمیں معاف کر دے اور آئندہ کے
لئے اپنی ایسی پناہ میں لے لے کہ ہم کبھی چاہ کر بھی کچھ غلطی نہ ہی
خطا گناہ کر سکیں آمین ثم آمین یا ربّی آمین
یا ربّ العالمین آمین بحق امام المرسلین رحمۃً للعالمین آمین
یا رحمٰن یا رحیم ہمارے اعمال صالحہ میں برکت ڈال دیجئے آمین
بحق لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ آمین.